

پلٹ آئیں۔ اسی سلسلے میں اہل ایمان کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اگر اللہ کی بندگی کے لیے ایک جگہ تنگ ہو گئی ہے تو اس کی زمین وسیع ہے، اپنا دین بچانے کے لیے کسی اور طرف نکل کھڑے ہو، اللہ تمہارے صبر کا اجر دے گا۔ دوسری طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے کہ ان کفار کو اس طرف سے بالکل مایوس کر دو کہ ان کا ظلم و ستم کبھی تم کو اس راہ سے پھیر سکے گا اور ان سے صاف صاف کہہ دو کہ تم میرا ستہ روکنے کے لیے جو کچھ بھی کرنا چاہتے ہو کر ڈالو، میں اپنا یہ کام جاری رکھوں گا۔

اللہ کے نام سے جو رحمن اور رحیم ہے

اس کتاب کا نزول اللہ زبردست اور دانائی کی طرف سے ہے۔

اے محمد، یہ کتاب ہم نے تمہاری طرح حق نازل کی ہے، لہذا تم اللہ ہی کی بندگی کرو دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ خبردار، دین خالص اللہ کا حق ہے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے

۱۔ یہ اس سورہ کی مختصر تمہید ہے جس میں میں یہ بتانے پر اکتفا کیا گیا ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کلام نہیں ہے، جیسا کہ منکرین کہتے ہیں۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس نے خود نازل فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی دو صفات کا ذکر کر کے سامعین کو دو حقیقتوں پر متنبہ کیا گیا ہے تاکہ وہ اس کلام کو کوئی معمولی چیز نہ سمجھیں بلکہ اس کی اہمیت محسوس کریں۔ ایک یہ کہ جس خدا نے اسے نازل کیا ہے وہ عزیز ہے یعنی ایسا زبردست ہے کہ اس کے ارادوں اور فیصلوں کو نافذ ہونے سے کوئی طاقت روک نہیں سکتی اور کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ اس کے مقابلہ میں ذرہ برابر بھی مزاحمت کر سکے۔ دوسرے یہ کہ وہ حکیم ہے یعنی جو ہدایت وہ اس کتاب میں سے رہا ہے وہ سراسر دانائی پر مبنی ہے اور صرف ایک جاہل و نادان آدمی ہی اس سے منہ موڑ سکتا ہے۔

۲۔ یعنی اس میں جو کچھ ہے حق اور سچائی ہے، باطل کی کوئی آمیزش اس میں نہیں ہے۔

۳۔ یہ ایک نہایت اہم آیت ہے جس میں دعوتِ اسلام کے اصل مقصود کو بیان کیا گیا ہے اس لیے

اس پر سے سرسری طور پر نہ گزرنا چاہیے، بلکہ اس کے مفہوم و مدعا کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کے بنیادی نکات دو ہیں جنہیں سمجھے بغیر آیت کا مطلب نہیں سمجھا سکتا۔ ایک یہ کہ مطالبہ اللہ کی عبادت کرنے کا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایسی عبادت کا مطالبہ ہے جو دین کو اللہ کے لیے خالص کرتے ہوئے کی جائے۔ عبادت کا مادہ عبد ہے۔ اور یہ لفظ "آزاد" کے مقابلے میں "غلام" اور "مملوک" کے لیے عربی زبان میں مستعمل ہوتا ہے۔ اسی معنی کے لحاظ سے "عبادت" میں دو مفہوم پیدا ہوئے ہیں۔ ایک، پوچنا اور پرستش، جیسا کہ عربی زبان کی مشہور مستند لغت "لسان العرب" میں ہے، عَبْدَ اللَّهِ، تَأْتِي لَهُ - وَالْتَعَبُدُ، التَّنَسُّكُ - دوسرے، عاجزانہ اطاعت اور برضا و رغبت فرمانبرداری، جیسا کہ لسان العرب میں ہے العبادۃ، الطاعة - ومعنى العبادۃ في اللغة الطاعة مع الخضوع - وكل من دان لملك فهو عابد له وَ قَوْمُهُمْ مَا لَنَا عَابِدُونَ، - والعابدة، الخاضع لربہ المستسلم المنقاد لاهلہ۔ عَبْدَ الطَّاعُونَ، اطاعہ یعنی الشيطان فيما سَوَّلَ لَهُ وَاغْوَاه - اِيَّاكَ تَعْبُدُ، اِي نطيع الطاعة التي يخضع معها - اُعْبُدُوا رَبَّكُمْ، اطيعوا ربكم۔ پس لغت کی ان مستند نثریات کے مطابق مطالبہ صرف اللہ تعالیٰ کی پوچنا اور پرستش ہی کا نہیں ہے بلکہ اس کے احکام کی بے چون و چرا اطاعت اور اس کے قانون شرعی کی برضا و رغبت پیروی۔ اور اس کے امر و نہی کی دل و جان سے فرمانبرداری کا بھی ہے۔

دین کا لفظ عربی زبان میں متعدد معنومات کا حامل ہے :

(۱) ایک مفہوم ہے غلبہ و اقتدار، مالکانہ اور حاکمانہ تصرف، سیاست و فرمانروائی اور دوسری پر فیصلہ نافذ کرنا۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے دَانَ النَّاسَ، اِي قَهَرَهُمْ عَلَى الطَّاعَةِ - دِنْتُهُمْ اِي قَهَرْتُهُمْ - دِنْتُهُ، سُنَّتُهُ وَ مَلِكْتُهُ - وَ فِي الْحَدِيثِ اَلدِّينُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ - اِي اَذَلَّهَا وَ اسْتَعْبَدَهَا - اَلدِّيَانُ، الْقَاهِي، الْحَكْمُ، الْعِبَارَةُ - وَ اَلدِّيَانُ - اِي لَسْتُ بِقَاهِرِي فَتَسُوْسُ امْرِي - مَا كَانَ لِيَاخُذَ اَخَاكَ فِي دِينِ الْمَلِكِ، (اِي فِي قَضَاءِ الْمَلِكِ -

(۲) دین کا دوسرا مفہوم ہے اطاعت، فرمانبرداری اور غلامی۔ لسان العرب میں ہے الدین،

اُس کے سوا دوسرے سرپرست بنا رکھے ہیں اور اپنے اس فعل کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ ہم تو ان کی طاعة - دِنْتُهُ وَدِنْتُ لَهُ، اِی اطعْتُهُ - وَالِدِیْنَ اللهُ، نَمَا هُوَ طَاعَتُهُ وَالتَّعَبُّدُ لَهُ - نِی الْحِیْثُ اُسَیْدًا مِنْ قَوْلِیْهِ كَلِمَةً تَدِیْنُ لِمَنْ بَعَا الْعَرَبُ، اِی تطیعهم و تخضع لهم - ثم دانت بعد الرباب اِی ذَلَّتْ لَهُ وَاطَاعَتْهُ - بِمَقْوَمٍ مِنَ الدِّیْنِ، اِی انھم یخرجون من طاعة الامام المفترض الطاعة - المدین، العید - قَوْلًا اِنْ كُنْتُمْ غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ، اِی غیر مملوکیں -

(۳) تیسرا مفہوم ہے وہ عادت اور طریقہ جس کی انسان پیروی کرے۔ انسان العرب میں ہے

الدین، العادة والشأن - یقال ما زال ذاك دینی و دیندانی، اِی عادتی -

ان تینوں منہومات کو ملحوظ رکھتے ہوئے دین کے معنی اس آیت میں اُس طرز عمل اور اس رویے کے ہیں جو کسی کی بالائرمی تسلیم اور کسی کی اطاعت قبول کر کے انسان اختیار کرے۔ اور دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس کی بندگی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ”آدمی اللہ کی بندگی کے ساتھ کسی دوسرے کی بندگی شامل نہ کرے، بلکہ اسی کی پرستش، اسی کی بدایت کا اتباع اور اسی کے احکام و اوامر کی اطاعت کرے۔“ یہ ایک امر واقعہ اور ایک حقیقت ہے جسے اس مطالبے کے لیے دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ کے لیے دین کو خالص کر کے اُس کی بندگی تم کو کرنی چاہیے کیونکہ خالص اور بے آمیز اطاعت و بندگی اللہ کا حق ہے۔ دوسرے الفاظ میں، بندگی کا مستحق کوئی دوسرا ہے ہی نہیں کہ اللہ کے ساتھ اُس کی بھی پرستش اور اُس کے احکام و قوانین کی بھی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی شخص اللہ کے سوا کسی اور کی خالص اور بے آمیز بندگی کرتا ہے تو غلط کرتا ہے۔ اور اسی طرح اگر وہ اللہ کی بندگی کے ساتھ بندگی غیر کی آمیزش کرتا ہے تو یہ بھی حق کے سراسر خلاف ہے۔ اس آیت کی بہترین تشریح وہ حدیث ہے جو ابنِ مَرْدُویہ نے یزید الرقاشی سے نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، ہم اپنا مال دیتے ہیں اس لیے کہ ہمارا نام بلند ہو، کیا اس پر ہمیں کوئی اجر ملے گا؟ حضور نے فرمایا نہیں۔ اس نے پوچھا اگر اللہ کے اجر اور دنیا کی ناموری دونوں کی نیت ہو، آپ نے فرمایا ان الله تعالى لا یقبل الامن اخلص له؟ اللہ تعالیٰ کوئی عمل بھی قبول نہیں کرتا جب تک وہ خالص اسی کے

عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی گرا دیں، اللہ یقیناً ان کے درمیان ان تمام باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور منکر حق ہو۔

یہ نہ ہو: اس کے بعد حضور نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

۵۵ کفار مکہ کہتے تھے، اور بالعموم دنیا بھر کے مشرکین یہی کہتے ہیں کہ ہم دوسری ہستیوں کی عبادت ان کو خالق سمجھتے ہوئے نہیں کرتے۔ خالق تو ہم اللہ ہی کو مانتے ہیں اور اصل معبود اسی کو سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کی بارگاہ بہت اونچی ہے جس تک ہماری رسائی بھلا کہاں ہو سکتی ہے۔ اس لیے ہم ان بزرگ ہستیوں کو ذریعہ بناتے ہیں تاکہ یہ ہماری دعائیں اور التجائیں اللہ تک پہنچا دیں۔

۵۶ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اتفاق و اتحاد صرف توحید ہی میں ممکن ہے۔ شرک میں کوئی اتفاق نہیں ہو سکتا۔ دنیا کے مشرکین کبھی اس پر متفق نہیں ہوتے ہیں کہ اللہ کے ہاں رسائی کا ذریعہ آخر کون سی ہستیاں ہیں۔ کسی کے نزدیک کچھ دیوتا اور دیویاں اس کا ذریعہ ہیں اور ان کے درمیان بھی سب دیوتاؤں اور دیویوں پر اتفاق نہیں ہے۔ کسی کے نزدیک چاند، سورج، مریخ، مشتری اس کا ذریعہ ہیں اور وہ بھی آپس میں اس پر متفق نہیں کہ ان میں سے کس کا کیا مرتبہ ہے اور کون اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ کسی کے نزدیک وفات یافتہ بزرگ ہستیاں اس کا ذریعہ ہیں اور ان کے درمیان بھی بے شمار اختلافات ہیں۔ کوئی کسی بزرگ کو مان رہا ہے اور کوئی کسی اور کو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مختلف ہستیوں کے بارے میں یہ گمان نہ تو کسی علم پر مبنی ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کبھی کوئی ایسی فہرست آئی ہے کہ فلاں فلاں اشخاص ہمارے مقرب خاص ہیں، لہذا ہم تک رسائی حاصل کرنے کے لیے تم ان کو ذریعہ بناؤ۔ یہ تو ایک ایسا عقیدہ ہے جو محض وہم اور اندھی عقیدت اور اسلاف کی بے سوچے سمجھے تقلید سے لوگوں میں پھیل گیا ہے۔ اس لیے لامحالہ اس میں اختلاف تو ہونا ہی ہے۔

۵۷ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے دو الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ ایک کاذب دوسرے کفار۔ کاذب ان کو اس لیے فرمایا گیا کہ انہوں نے اپنی طرف سے جھوٹ موٹ یہ عقیدہ گھڑ لیا ہے اور

اگر اللہ کسی کو بیٹا بنا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا برگزیدہ کر لیتا، پاک ہے وہ اس سے رکھ کوئی اس کا بیٹا ہو، وہ اللہ ہے اکیلا اور سب پر غالب ہے۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو پھر ہی جھوٹ وہ دوسروں میں پھیلاتے ہیں۔ رہا کفار۔ تو اس کے دو معنی ہیں۔ ایک سخت منکر حق یعنی توحید کی تعلیم سامنے آجانے کے بعد بھی یہ لوگ اس غلط عقیدے پر ٹھہرے۔ دوسرے، کافر نعمت یعنی نعمتیں تو یہ لوگ اللہ سے پارے ہیں اور شکر یہ ان سستیوں کے ادا کر رہے ہیں جن کے متعلق انہوں نے اپنی جگہ یہ فرض کر لیا ہے کہ یہ نعمتیں ان کی مداخلت کے سبب سے مل رہی ہیں۔

۵۵ یعنی اللہ کا بیٹا ہونا تو سرے سے ہی ناممکن ہے ممکن اگر کوئی چیز ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ کسی کو اللہ برگزیدہ کرے۔ اور برگزیدہ بھی جس کو وہ کرے گا، لامحالہ وہ مخلوق ہی میں سے کوئی ہوگا، کیونکہ اللہ کے سوا دنیا میں جو کچھ بھی ہے وہ مخلوق ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ مخلوق خواہ کتنی ہی برگزیدہ ہو جائے، اولاد کی حیثیت اختیار نہیں کر سکتی، کیونکہ خالق اور مخلوق میں عظیم الشان جوہری فرق ہے، اور ولایت لازماً والد اور اولاد میں جوہری اتحاد کی منتفی ہے۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی نگاہ میں رہنی چاہیے کہ ”اگر اللہ کسی کو بیٹا بنا چاہتا تو ایسا کرتا“ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن سے خود بخود یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اللہ نے ایسا کرنا کبھی نہیں چاہا۔ اس طرز بیان سے یہ بات ذہن نشین کرنی مقصود ہے کہ کسی کو بیٹا بنا لینا تو درکنار، اللہ نے تو ایسا کرنے کا کبھی ارادہ بھی نہیں کیا ہے۔ ۵۹ یہ دلائل ہیں جن سے عقیدہ ولایت کی تردید کی گئی ہے۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہ نقص اور عیب اور کمزوری سے پاک ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اولاد کی ضرورت ناقص و کمزور کو ہوا کرتی ہے۔ جو شخص خالی ہوتا ہے وہی اس کا محتاج ہوتا ہے کہ اس کے ہاں اولاد ہونا کہ اس کی نسل اور نوع باقی رہے۔ اور کسی کو متبہ بھی وہی شخص بنانا ہے جو یا تو لاوارث ہونے کی وجہ سے کسی کو وارث بنانے کی حاجت محسوس کرتا ہے، یا محبت کے جذبے سے مغلوب ہو کر کسی کو بیٹا بنا لیتا ہے۔ یہ انسانی کمزوریاں اللہ کی طرف منسوب کرنا اور ان کی بنا پر مذہبی عقیدے بنا لینا جہالت اور کم نگاہی کے سوا اور کیا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ اکیلا اور اپنی ذات میں واحد ہے، کسی جنس کافر نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ

برخی پیدا کیا ہے۔ وہی دن پر رات اور رات پر دن کو پٹیتا ہے۔ اسی نے سورج اور چاند کو اس طرح مستحکم رکھا ہے کہ ہر ایک ایک وقت مقرر تک چلے جا رہا ہے۔ جان رکھو، وہ زبردست ہے اور درگزر کرنے والا ہے۔ اسی نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر وہی ہے جس نے اُس جان سے اس کا جوڑا بنایا۔ اور اسی نے تمہارے لیے موشیوں میں آٹھ نر و مادہ پیدا کیے۔ وہ تمہاری ماٹوں کے پیٹوں میں تین تین تاریک پردوں کے اندر تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے۔ یہی اللہ جس کے یہ کام ہیں، تمہارا رب ہے، بادشاہی اسی کی ہے، کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے، پھر تم کدھر سے اولاد لانا ہم جنس ہوا کرتی ہے۔ نیز اولاد کا کوئی تصور از دواج کے بغیر نہیں ہو سکتا، اور از دواج بھی ہم جنس سے ہی ہو سکتا ہے۔ لہذا وہ شخص سخت جاہل و نادان ہے جو اُس کی تالیف و لیکانہ مستی کے لیے اولاد تجویز کرتا ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ وہ تمہارے یعنی دنیا میں جو چیز بھی ہے اس سے مغلوب اور اس کی قابرانہ گرفت میں جکڑی ہوئی ہے۔ اس کائنات میں کوئی کسی درجے میں بھی اس سے کوئی مماثلت نہیں رکھتا جس کی بنا پر اس کے متعلق یہ گمان کیا جاسکتا ہو کہ اللہ تعالیٰ سے اس کا کوئی رشتہ ہے۔

۱۱۔ تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر القرآن جلد دوم صفحہ ۴۶۹ و ۵۲۵۔ جلد سوم صفحہ ۶۰۳۔

۱۲۔ یعنی زبردست ایسا ہے کہ اگر وہ تمہیں عذاب دینا چاہے تو کوئی طاقت اس کی فراحت نہیں کر سکتی۔ مگر یہ اس کا کرم ہے کہ تم یہ کچھ گستاخیاں کر رہے ہو اور پھر وہ تم کو فوراً پکڑ نہیں لیتا بلکہ مہلت پر مہلت دیتے جاتا ہے۔ اس مقام پر عقوبت میں تعجیل نہ کرنے اور مہلت دینے کو مغفرت و درگزر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۱۳۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے حضرت آدم سے انسانوں کو پیدا کر دیا اور پھر ان کی بیوی حضرت حوا کو پیدا کیا۔ بلکہ یہاں کلام میں ترتیب زمان کے بجائے ترتیب بیان ہے جس کی مثالیں سب زبان میں پائی جاتی ہیں مثلاً ہم کہتے ہیں تم نے آج جو کچھ کیا وہ مجھے معلوم ہے، پھر جو کچھ تم کل کر چکے ہو اُس سے بھی میں باخبر ہوں اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ کل کا واقعہ آج کے بعد ہوا ہے۔

۱۴۔ یعنی اونٹ، گائے، بھیر اور بکری میں سے ہر ایک کے چار چار نر و مادہ پیدا کیے۔

پھر اے جا رہے ہو؟

۱۳ تین پردوں سے مراد ہے پیٹ، رحم اور مَشِیْمَہ (وہ جھلی جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے)۔

۱۵ یعنی مالک، حاکم اور پروردگار۔

۱۶ یعنی تمام اختیارات کا مالک وہی ہے اور ساری کائنات میں اسی کا حکم چل رہا ہے۔

۱۷ دوسرے الفاظ میں استدلال یہ ہے کہ جب وہی تمہارا رب ہے اور اسی کی ساری بادشاہی ہے تو پھر لازماً تمہارا اللہ (معبود) بھی وہی ہے۔ دوسرا کوئی اللہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ نہ پروردگاری میں اس کا کوئی حصہ نہ بادشاہی میں اس کا کوئی دخل۔ آخر تمہاری عقل میں یہ بات کیسے سجاتی ہے کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا تو ہو۔ اللہ، سورج اور چاند کو مستخر کرنے والا اور رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات لانے والا بھی ہو اللہ، تمہارا اپنا اور تمام حیوانات کا خالق و رب بھی ہو اللہ، اور تمہارے معبود بن جائیں اس کے سوا دوسرے۔ یہ الفاظ قابل غور ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ تم کدھر پھرے جا رہے ہو۔ ارشاد یہ ہوا ہے کہ تم کدھر سے پھر اے جا رہے ہو یعنی کوئی دوسرا ہے جو تم کو الٹی پٹی پڑھا رہا ہے اور تم اس کے بہکاتے میں آ کر ایسی سیدھی سی عقل کی بات جلی نہیں سمجھ رہے ہو۔ دوسری بات جو اس انداز بیان سے خود مترشح ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ تم کا خطاب پھر انسواءوں سے نہیں بلکہ ان لوگوں سے ہے جو ان کے اثر میں آ کر پھر رہے تھے۔

اس میں ایک بظن مضمون ہے جو ذرا سے غور و فکر سے باعسانی سمجھ میں آ جاتا ہے۔ پھر انے والے اسی معاشرے میں سب کے سامنے موجود تھے اور ہر طرف اپنا کام علانیہ کر رہے تھے، اس لیے ان کا نام لینے کی حاجت نہ تھی۔ ان کو خطاب کرنا بھی بیکار تھا، کیونکہ وہ اپنی اغراض کے لیے لوگوں کو خدا کے بندگی سے پھیرنے اور دوسروں کی بندگی میں پھانسنے اور بچانے رکھنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ ایسے لوگ ظاہر ہے کہ سمجھانے سے سمجھنے والے نہ تھے، کیونکہ نہ سمجھنے ہی سے ان کا مفاد و ایستہ تھا، اور سمجھنے کے بعد بھی وہ اپنے مفاد کو قربان کرنے کے لیے مشکل ہی سے تیار ہو سکتے تھے۔ البتہ رحم کے قابل ان عوام کی حالت تھی جو ان کے چکے میں آ رہے تھے۔ ان کی کوئی غرض اس کا روبرو سے وابستہ نہ تھی، اس لیے وہ سمجھانے سے سمجھ سکتے تھے۔ اور ذرا سی آنکھیں کھل جانے کے بعد وہ یہ بھی دیکھ سکتے تھے کہ جو لوگ انہیں خدا کے آئندے سے

اگر تم کفر کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے، لیکن وہ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتا۔

ہٹا کر دوسرے آستانوں کا راستہ دکھاتے ہیں وہ اپنے اس کاروبار کا فائدہ کیا اٹھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گمراہ کونے والے چند آدمیوں سے ڈخ پھیر کر گمراہ ہونے والے عوام کو مخاطب کیا جا رہا ہے۔

۱۹ یعنی تمہارے کفر سے اس کی خدائی میں فترہ برابر بھی کمی نہیں آسکتی۔ تم مانو گے تب بھی وہ خدا ہے، اور نہ مانو گے تب بھی وہ خدا ہے اور رہے گا۔ اس کی فرمانروائی اپنے زور پر چل رہی ہے تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا عبادی لو ان اولکم و آخرکم و انفسکم و جنتم کا نوا علی افجر قلب رجل منکم ما نقص من ملکی شیئاً۔ اے میرے بندو، اگر تم سب کے سب اگلے اور پچھلے، انسان اور جن اپنے میں سے کسی فاجر سے فاجر شخص کے دل کی طرح ہو جاؤ تب بھی میری بادشاہی میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی“ (مسلم)

۲۰ یعنی وہ اپنے کسی مفاد کی خاطر نہیں بلکہ خود بندوں کے مفاد کی خاطر یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ کفر کریں، کیونکہ کفر خود انہی کے لیے نقصان دہ ہے۔ یہاں یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور چیز ہے اور رضا دوسری چیز۔ دنیا میں کوئی کام بھی اللہ کی مشیت کے خلاف نہیں ہو سکتا، مگر اس کی رضا کے خلاف بہت سے کام ہو سکتے ہیں اور رات دن ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً دنیا میں جیادوں اور ظالموں کا حکمراں ہونا، چوروں اور ڈاکوؤں کا پایا جانا، قاتلوں اور زانیوں کا موجود ہونا اسی لیے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بنائے ہوئے نظام قدرت میں ان برائیوں کے ظہور اور ان اثرات کے وجود کی گنجائش رکھی ہے۔ پھر ان کو بدی کے ارتکاب کے مواقع بھی وہی دیتا ہے اور اسی طرح دیتا ہے جس طرح نیکیوں کو نیکی کے مواقع دیتا ہے۔ اگر وہ سرے سے ان کی گنجائش ہی نہ رکھتا اور ان کو مواقع ہی نہ دیتا تو دنیا میں کبھی کوئی بُرائی ظاہر نہ ہوتی۔ یہ سب کچھ برائے مشیت ہے۔ لیکن مشیت کے تحت کسی فعل کا صدور یہ معنی نہیں رکھتا کہ اللہ کی رضا بھی اس کو حاصل ہے۔ مثال کے طور پر اس بات کو یوں سمجھیے کہ ایک شخص اگر حرام خوری ہی کے ذریعہ سے اپنا رزق حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ

اور اگر تم شکر کرو تو اسے وہ تمہارے لیے پسند کرتا ہے۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ ۱۲۲۔ انہی کا تم سب کو اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے، پھر وہ تمہیں تباہی دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔ وہ تو دلوں کا سالن تک جانتا ہے۔

انسان پر جب کوئی آفت آتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کر کے اُسے پکارتا ہے۔ پھر جب اس کا رب اسے اپنی نعمت سے نواز دیتا ہے تو وہ اسی خدا کو بھول جاتا ہے جسے وہ اسی ذریعہ سے اس کو رزق دے دیتا ہے۔ یہ ہے اُس کی مشیت۔ مگر مشیت کے تحت چوری یا ڈاکو یا رشوت خوار کو رزق دینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ چوری، ڈاکے اور رشوت کو اللہ پسند بھی کرتا ہے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ یہاں فرما رہا ہے کہ تم کفر کرنا چاہو تو کرو، ہم تمہیں زبردستی اس سے روک کر یمن نہیں بنائیں گے، مگر ہمیں یہ پسند نہیں ہے کہ تم بندے ہو کر اپنے خالق و پروردگار سے کفر کرو، کیونکہ یہ تمہارے ہی لیے نقصان دہ ہے، ہماری خدائی کا اس سے کچھ بھی نہیں بگڑتا۔

اللہ کفر کے مقابلے میں یہاں ایمان کے بجائے شکر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے خود بخود یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ کفر و حقیقت احسان فراموشی و نیک حرامی ہے۔ اور ایمان حقیقت شکر گزاری کا لازمی تقاضا ہے۔ جس شخص میں اللہ جل شانہ کے احسانات کا کچھ بھی احساس ہو وہ ایمان کے سوا کوئی دوسری راہ اختیار نہیں کر سکتا۔ اس لیے شکر اور ایمان ایسے لازم و ملزوم ہیں کہ جہاں شکر ہوگا وہاں ایمان ضرور ہوگا۔ اور اس کے برعکس جہاں کفر ہوگا وہاں شکر کا سرے سے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ کفر کے ساتھ شکر کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

۱۲۲ مطلب یہ ہے کہ تم میں سے ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ کوئی شخص اگر دوسروں کو راضی رکھنے کے لیے، یا ان کی ناراضی سے بچنے کی خاطر کفر اختیار کرے گا تو وہ دوسرے لوگ اُس کے کفر کا وبال اپنے اوپر نہیں اٹھائیں گے بلکہ اسے آپ ہی اپنا وبال بھگتنے کے لیے چھوڑ دیں گے۔ لہذا جس پر بھی کفر کا غلط اور ایمان کا صحیح ہونا واضح ہو جائے اس کو چاہیے کہ غلط رویہ چھوڑ کر صحیح رویہ اختیار کر لے اور اپنے خاندان یا برادری یا قوم کے ساتھ لگ کر اپنے آپ کو خدا کے عذاب کا مستحق نہ بنائے۔

پہلے پکار رہا تھا اور دوسروں کو اس کا ہمہ ٹھہرا تا ہے تاکہ اُس کی راہ سے گمراہ کرے۔ (اے نبی! اُس سے کہو کہ تھوڑے دن اپنے کفر سے لطف اٹھالے، یقیناً تو دوزخ میں جانے والا ہے۔ کیا اس شخص کی روش بہتر ہے یا اُس شخص کی) جو مطیع فرمان ہے، رات کی گھڑیوں میں کھڑا رہتا اور سجدے کرتا ہے، آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت سے اُمید لگاتا ہے؛ ان سے پوچھو، کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں کبھی یکساں ہو سکتے ہیں؟ نصیحت تو عقل رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں۔

۲۳۔ انسان سے مراد وہ کافر انسان ہے جس نے ناشکری کی روش اختیار کر رکھی ہو۔

۲۴۔ یعنی اُس وقت اُسے وہ دوسرے معبود یاد نہیں آتے جنہیں وہ اپنے اچھے حال میں پکارا کرتا تھا، بلکہ ان سب کا یوں ہو کر وہ صرف اللہ رب العالمین کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہ گویا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں دوسرے معبودوں کے بے اختیار ہونے کا احساس رکھتا ہے اور اس حقیقت کا شعور بھی اس کے ذہن میں کہیں نہ کہیں موجود ہے کہ اصل اختیارات کا مالک اللہ ہی ہے۔

۲۵۔ دوسرا مطلب اس آیت کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُس مصیبت کو بھول جاتا ہے جس سے بچنے کے لیے وہ اپنے رب کو پکار رہا تھا۔

۲۶۔ یعنی پھر دوسروں کی بندگی کرنے لگتا ہے۔ انہی کی اطاعت کرتا ہے، انہی سے دعائیں مانگتا ہے، اور انہی کے آگے نذر و نیاز پیش کرنا شروع کر دیتا ہے۔

۲۷۔ یعنی خود گمراہ ہونے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ دوسروں کو بھی یہ کہہ کہہ کر گمراہ کرتا ہے کہ جو آفت مجھ پر آئی تھی وہ فلاں حضرت یا فلاں بزرگ یا فلاں دیوی یا دیوتا کے سدقے میں ٹل گئی۔ اس سے دوسرے بہت سے لوگ بھی ان معبودانِ غیر اللہ کے معتقد بن جاتے ہیں اور سب جاہل اپنے اسی طرح کے تجربات بیان کر کے عوام کی اس گمراہی کو بڑھاتا چلا جاتا ہے۔

۲۸۔ واضح ہے کہ یہاں مقابلہ دو قسم کے انسانوں درمیان کیا جا رہا ہے۔ ایک جو کوئی سخت وقت اُڑنے پر تو اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور م حالات میں غیر اللہ کی بندگی کرتے جیتے ہیں۔ دوسرے جنہوں نے اللہ کی اطاعت اور اس کی بندگی و پرستش کو اپنا مستقل طریقہ بنایا ہے اور راتوں کی تنہائی میں ان کا عبادت کرنا ان کے غلبے ہونے کی دلیل ہے۔ ان میں سے پہلے گروہ والوں کو اللہ تعالیٰ بے علم قرار

داسے نبی، کہو کہ اے میرے بندو جو ایمان لاتے ہو، اپنے رب سے ڈرو۔ جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک رویہ اختیار کیا ہے ان کے لیے بھلائی ہے۔ اور خدا کی زمین وسیع ہے، صبر کرنے والوں کو تو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

دیتا ہے، خواہ انہوں نے بڑے بڑے کتب خانے ہی کیوں نہ چاٹ رکھے ہوں، اور دوسرے گروہ والوں کو وہ عالم قرار دیتا ہے۔ خواہ وہ بالکل ہی آن پڑھ کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ اصل چیز حقیقت کا علم اور اس کے مطابق عمل ہے، اور اسی پر انسان کی فلاح کا انحصار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ دونوں آخر یکساں کیسے ہو سکتے ہیں؟ کیسے ممکن ہے کہ دنیا میں یہ مل کر ایک طریقے پر چلیں، اور آخرت میں دونوں ایک ہی طرح کے انجام سے دوچار ہوں؟

۲۹۔ یعنی صرف مان کر نہ رہ جاؤ بلکہ اس کے ساتھ تقویٰ بھی اختیار کرو۔ جن چیزوں کا اللہ نے حکم دیا ہے ان پر عمل کرو، جن سے روکا ہے ان سے بچو اور دنیا میں اللہ کے مواخذے سے ڈرتے ہوئے کام کرو۔

۳۰۔ دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی۔ ان کی دنیا بھی سدھریگی اور آخرت بھی۔

۳۱۔ یعنی اگر ایک شہر یا علاقہ یا ملک اللہ کی بندگی کرنے والوں کے لیے تنگ ہو گیا ہے تو دوسری جگہ چلے جاؤ جہاں یہ مشکلات نہ ہوں۔

۳۲۔ یعنی ان لوگوں کو جو خدا پرستی اور نیکی کے راستے پر چلنے میں ہر طرح کے مصائب و شدائد برداشت کریں مگر راہِ حق سے نہ ہٹیں۔ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو دین و ایمان کی خاطر ہجرت کر کے جلا وطنی کی مصیبتیں برداشت کریں، اور وہ بھی جو ظلم کی سرزمین میں جم کر ہجرت کا سامنا کرتے چلے جائیں۔